پولیس گردی روکنے کے لیے ریفارمز ضروری ہیں

تحریر: سہیل احمد لون

30 اگست 2019ء کو فیصل آباد میں اے ٹی ایم مشین لوٹنے والے ایک شخص صلاح الدین کو پنجاب پولیس نے گرفتار کیا تو اسکی گرفتاری سوشل میڈیا پر اس لیے وائرل ہوگئی کہ اس نے اے ٹی ایم مشین توڑنے سے قبل وہاں نصب سی سی ٹی وی کیمرے میں دیکھ کر منہ چڑایا تھا۔ ابتداء میں اسے گونگا بتایا گیا مگر کوئی عام بندہ پولیس اور خصوصاً پنجاب پولیس کے قابو آ جائے تو انکے سامنے گونگا انسان کیا ایک بے زبان جانور بھی انکی مرضی کا بیان دینا شروع کر دیتا ہے۔ دو دنوں میں صلاح الدین پولیس کی تحویل میں دوران تفتیش دم توڑ گیا جس کے بعد سوشل میڈیا پر ایک شدید ردعمل دیکھنے میں آیا جسکے بعد حسب روایت صلاح الدین کی پوسٹ مارٹم رپوٹ سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہ طبعی موت مرا ہے اس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا۔ جس تھانے میں یہ سانحہ پیش آیا وہاں کے انچارج پولیس آفیسر نے بھی اس بات کی ''تصدیق'' کر دی کہ صلاح الدین پر پولیس نے کوئی تشدد نہیں۔ یہ بات ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جب چھوٹا چور پولیس کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو اسکے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے اور اسکے گھر والوں بشمول عورتیں کیسے ذلیل وخوار کی جاتیں ہیں۔ پولیس گردی کی وجہ سے عام شہری تھانے کسی جرم کے خلاف رپوٹ درج کروانے سے اس لیے کتراتا ہے کہ وہاں عام شہری خواہ وہ مجرم ہو victim پولیس نے ان سے غیر انسانی سلوک کرنا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صلاح الدین طبعی موت مرا ہے مگر یہ بات کوئی نہیں مان سکتا کہ اس پر تشدد کی بجائے ''سلطان صلاح الدین ایوبی'' سمجھ کر ایسا سلوک کیا گیا ہو جو اشرافیہ کے ساتھ دوران تفتیش کیا جاتا ہے۔ اشرافیہ کی خاتون کے جسمانی ریمانڈ کے دوران اس کا میک اپ تک خراب نہیں ہوتا اور اشرافیہ کے بندے کے لباس میں شکن نہیں آتا مگر عام شہری پولیس کے ہاتھ لگ جائے تو اسکے جسم پر چین کا نقشہ بنا دیتے ہیں۔ تبدیلی سرکار نے پولیس ریفارمز کا وعدہ کیا تھا جو شاید پنجاب کو مضبوط اور ''شریف'' پرور بیوروکریسی انہیں کرنے نہیں دے رہی، اگر ساہیوال پولیس گردی والے واقعے کو حکومت بنیاد بنا کر ریفارمز کر دیتی تو آج صلاح الدین خبروں میں گردش نہ کر رہا ہوتا۔ گزشتہ دنوں لاہور کے علاقہ گجر پورہ میں پولیس کا ایک ٹارچر سیل دریافت ہوا جس میں آٹھ نوجوانوں کو تھرڈ ڈگری فارمولہ اپلائی کر کے ان سے ناکردہ جرائم منوانے کا تجربہ کیا جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک نوجوان لاہور کے سرکاری ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ جس پر کسی قسم کا کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ عابد باکسر اور راؤ انوار جیسے لوگوں کو اگر نشان عبرت بنایا گیا ہوتا تو شاید حالات کچھ بہتری کی طرف جاتے مگر ہمارے ہاں تو وزیراعظم کے سگے بھائی کو پولیس کے ہاتھوں قتل کروایا گیا اور وزیراعظم اپنے بھائی کے قاتل کو کیفر کردار تک نہ پہنچا سکی۔ ہماری پولیس میں کثیر تعداد میں ایسے لوگ ہیں جو رشوت دیکر اس ادارے میں آئے ہیں یا سیاسی بھرتیاں کیں گئی ہیں۔ ایسے لوگ پیسے ''بنانے'' اور اپنے زمینی ''آقاؤں'' کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے پولیس کا نام بدنام ہوتا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ جرمنی ایک پولیس سٹیٹ ہے مگر وہاں پر پولیس گردی کے واقعات بہت کم سننے کو ملتے ہیں وہاں پر پولیس آفیسر کی عدالت میں گواہی دو جرمن شہریوں کی گواہی کے برابر تصور کی جاتی ہے۔ البتہ برطانوی پولیس میں بھی پولیس گردی کے جراثیم ضرور پائے جاتے ہیں جسے ختم کرنے کی

عملی کوشش پولیس آفیسرز کو چارج کرکے کی جاتی ہے۔Independent Office for Police Conduct(IOPC) کے مطابق گزشتہ برس 2017-18 برطانوی پولیس کی تحویل میں دوران تفتیش ہلاک ہونے والے ملزمان کی تعداد 17 ہے جس میں 8 سیاہ فام اور 9 سفید فام باشندے ہیں۔ 2016-17 میں انگلینڈ اور ویلز پولیس کی حراست میں دوران تفتیش ہلاک ہونے والوں کی تعداد 14 تھی اور یہی تعداد 2015-16 میں ریکارڈ کی گئی۔ 2014-15 میں پولیس کی تحویل میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد 18 تھی۔ 2013-14 میں یہ تعداد 11 تھی۔ جبکہ 2011-12 اور 2012-13 میں انکی تعداد پندرہ 15 تھی۔ 2010-11 میں یہ تعداد 21 تھی اور 2009-10 میں پولیس کی حراست میں دوران تفتیش ہلاک ہونے والوں کی تعداد 17 تھی۔ 2008-09 میں یہ تعداد 15 اور 2007-08 میں انکی تعداد 22 تھی۔ اگر دیکھا جائے تو برطانوی پولیس کی تحویل میں دوران تفتیش ہلاک ہونے والوں کی تعداد میں ایک خاص تسلسل ہے۔ اپنے دفاع میں برطانوی پولیس کا بھی پنجاب پولیس کی طرح بیانیہ سامنے آجاتا ہے۔ 2008ء میں چالیس سالہ Sean Rigg پولیس کی تحویل میں ہلاک ہوا تو انکوائری کرنے کے بعد پانچ پولیس آفیسرز جھوٹ بولنے، حقائق چھپانے اور اپنے فرائض انجام دیتے وقت ہیلتھ اینڈ سیفٹی کا خیال نہ رکھنے کے جرم میں ٹریبونل نے سزا دی۔ 32 سالہ تھامس آرچر ڈبرسٹل پولیس کی حراست میں ہلاک ہوا تو برسٹل کراؤن کورٹ نے پولیس کو ہیلتھ اینڈ سیفٹی کے قانون وضوابط نہ اپنانے پر چارج کیا، اسی طرح Rashan Cahrles, Edson Costa, Sheku Bayoh Sue وغیرہ کی برطانوی پولیس کی حراست میں ہلاکت ہائی پروفائل کیسز بنے تھے۔ Jean Charles De Menzes اور Antohony Grainger کو برطانوی پولیس نے محض دہشت گردی کے شک کی بنیاد پر گولیاں مار کر ہلاک کیا تھا جس کے بعد پولیس کو عدالت کے سامنے جواب دہ ہونا پڑا۔ اسی طرح Hilsborough Disaster میں جب فٹبال سٹیڈیم میں 96 افراد ہلاک ہوئے تو ابتداء میں تو میڈیا اور پولیس کی ملی بھگت سے تماشائیوں کو ہی اسکا ذمہ دار ٹھہرایا گیا مگر بعد میں اس کے خلاف ایک باقاعدہ تحریک چلی تو انکوائیری شروع ہوگئی۔ بالآخر اس کا انجام انصاف پر ہوا، برطانیہ کی مشہور اخبار دی سن کو فل فرنٹ پیج پر معافی نامہ چھاپنا پڑا، اس کے علاوہ اس میں ملوث پولیس افیسرز کو قانون کے مطابق سزائیں دیں گئیں۔ اسی طرح Milly Dower ہائی پروفائل کیس میں جب فون ہیکنگ کا سکینڈل سامنے آیا تو اس میں بھی عوامی ردعمل اتنا شدید تھا کہ اس وقت کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون کو پارلیمنٹ میں اس کا تذکرہ کرنا پڑا۔ انکوائری کے بعد میڈیا کے دنیا کے بے تاج بادشاہ Rupert Murdoch کو معافی مانگنا پڑی اور 168 برس سے شائع ہونے والی اخبار دی نیوز آف دی رولڈ کو بند کرنا پڑا، اسکے علاوہ اس میں ملوث پولیس آفیسرز کو بھی چارج کیا گیا۔ ایسی لاتعداد مثالیں موجود ہیں جن میں برطانوی پالیس آفیسرز کو اپنے فرائض سے غفلت یا پاور کا ناجائز استعمال کرنے پر سزائیں ہوئیں۔ پولیس کی کسٹڈی میں کوئی بندہ ہلاک ہو جاتا ہے تو سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے اور اسکی باقاعدہ انکوائری ہوتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ انصاف ہوتا دکھائی دے۔

پولیس کا بنیادی کام تو عوام کے جان و مال کا تحفظ کرنا اور انکی خدمت کرنا ہے۔ مگر ہمارے ہاں تو پولیس اشرافیہ کے تلوے چاٹنے اور عام شہری کو مار مار کر زبان نکلوا دیتے ہیں۔ پولیس خصوصاً پنجاب پولیس گزشتہ چند دہائیوں سے عام شہریوں کے لیے دہشت کی علامی بن چکی

ہے، بھلا ہو محترمہ بینظیر بھٹو کا انکے دور میں خواتین کو الگ لاک اپ میں رکھنے کا قانون بنا دیا گیا تھا ورنہ تھانوں میں غریبوں کی عزتیں بھی نیلام ہوتیں تھیں۔ برطانوی پولیس کی حراست میں سال میں پندرہ بیس بندے ہلاک ہونے پر وہاں انکوائریاں اور پولیس کو سزائیں ہوتی ہیں ہمارے ہاں تو اس چیز کا ریکارڈ ہی نہیں کہ کتنے لوگ پولیس گردی کا نشانہ بنتے ہیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن، ساہیوال اور صلاح الدین والے کیس کی اگر انکوائری کر کے قصوروار کو قرار واقعی سزا دی جائے تو آئندہ پولیس گردی میں کمی آسکتی ہے۔ اسکے علاوہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہنگامی بنیادوں پر پولیس ریفارمز کیے جائیں اور تھانہ کلچر فوری طور پر تبدیل کیا جائے، تحقیقات کے لیے تھرڈ ڈگری ٹاچر کی بجائے جدید طریقے استعمال کیے جائیں اگر یہ ممکن نہیں تو طبقاتی نظام کی لعنت کو ختم کر کے حوالات ہو یا جیل عام شہری اور کرپٹ اشرافیہ و مافیا کو یکساں سہولیات دیں جائیں۔ کیونکہ انصاف کا آغاز ہی تھانے سے ہوتا ہے جہاں عام شہری جاتے ہوئے خوف محسوس کرتا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

05-09-2019